ضیاالحسن کی شاعری کا اسلوبیاتی مطالعہ

محمد نوید

طاہرہ صدیقہ

Abstract:

This study presents a comprehensive stylistic analysis of Dr. Zia-ul-Hassan's poetry, focusing particularly on his Ghazals and Nazms within the theoretical framework of modern Urdu Stylistics.The research examines how Dr. Zia-ul-Hassan constructs meaning through his distinctive linguistic choices, thematic patterns, metaphorical structures, sonic and rhythmic organization, and rhetorical devices. His poetry reflects a unique blend of classical tradition and modern sensibility, where the inherited forms of Ghazal and Nazm acquire new layers of meaning through innovative diction, symbolic depth, psychological nuance, and intellectual refinement.

Key Words: comprehensive, stylistic analysis, Dr. Zia-ul-Hassan's poetry, modern Urdu, linguistic choices

اسلوب بنیادی طور پر اُس مخصوص طریقِ اظہار کو کہتے ہیں جس کے ذریعے کوئی فرد، کوئی گروہ، یا کوئی ادبی روایت زبان کا استعمال کرتی ہے۔ اسلوب میں وہ تمام عناصر شامل ہوتے ہیں جو کسی مصنف کی زبان کو اس کی انفرادی پہچان عطا کرتے ہیں، مثلاً لفظوں کا انتخاب، تراکیب، ساخت، آہنگ اور اظہار کے مخصوص انداز وغیرہ۔ زبان ایک عمومی ڈھانچا فراہم کرتی ہے جس کے ذریعے ابلاغ ممکن ہوتا ہے، مگر اسلوب اس ڈھانچے کے اندر پائی جانے والی شعوری یا غیر شعوری تبدیلیوں اور انتخاب کی بنا پر وجود میں آتا ہے۔ اس لیے اسلوب محض یہ نہیں کہ مصنف کیا کہہ رہا ہے، بلکہ یہ ہے کہ وہ کیسے کہہ رہا ہے۔ یہ اس کی شخصیت، ثقافت، نفسیات، نظریات اور جمالیاتی رجحانات کا حاصل ہوتا ہے۔ ادبیات میں اسلوب کو انفرادیت کی واضح علامت سمجھا جاتا ہے، جو قاری کو مصنف کے مخصوص لہجے، موضوعاتی میلان، اور تخلیقی طرز سے واقف کراتا ہے۔ کلاسیکی نقاد اسلوب کو کردار کا عکس سمجھتے تھے، یعنی مصنف کی باطنی کیفیتیں اس کی تحریر میں خود ظاہر ہو جاتی ہیں۔ مگر جدید اسلوبیاتی نظریات کے نزدیک اسلوب زبان کے ڈھانچوں، انتخابی رجحانات اور سماجی و ثقافتی عوامل کا ایک پیچیدہ مجموعہ ہے جو متن کے اندر پیوست ہوتا ہے۔ پروفیسر مرزا خلیل احمد بیگ اسلوبیات کی تعریف یوں بیان کرتے ہیں:

> "اسلوبیات دراصل ادب کے لسانیاتی مطالعے کا نام ہے جس میں ادبی فن پارے کا مطالعہ و تجزیہ لسانیات کی روشنی میں اس کی مختلف سطحوں پر کیا جاتا ہے اور ہر سطح پر فن پارے کے اسلوب کے خصائص (Style-features) کا پتہ لگایا جاتا ہے۔"(۱)

ادبیات میں اسلوب ایک تخلیق کار کی لسانی اور جمالیاتی شناخت کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ محض آرائش یا تکلف کا نام نہیں بلکہ زبان کے ان موزوں اور با معنی انتخابوں کا مجموعہ ہے جو کسی شاعر یا ادیب کی شخصیت، فکر، ذہنی رجحانات اور جذباتی حسیت کو نمایاں کرتے ہیں۔ اردو شاعری میں اسلوبیات کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے کیونکہ اردو شعری روایت بلاغتی نزاکتوں، موسیقیت، علامتی ساختوں، تہذیبی اشاروں اور معنوی تہہ داری سے عبارت ہے۔ ضیاء الحسن، جو جدید اردو شاعری کے ممتاز شاعر اور نقاد ہیں، اسی روایت میں ایک پختہ

ذہن، بالغ نظر اور منفرد اسلوب رکھنے والے شاعر کے طور پر سامنے آتے ہیں۔ ان کی غزل اور نظم دونوں میں کلاسیکی نرمی اور جدید حسیت کا ایسا حسین امتزاج موجود ہے جو روایت اور تجدید کے درمیان ایک منفرد تخلیقی فضا قائم کرتا ہے۔ یہ اسلوبیاتی مطالعہ اس بات کا جائزہ لیتا ہے کہ وہ لغت، علامتوں، نحوی ساخت، استعاروں، موضوعات اور بین المتونی حوالوں کے ذریعے کس طرح شعری معنی کو تشکیل دیتے ہیں۔ ضیاء الحسن اس شعری نسل سے تعلق رکھتے ہیں جو بیسویں صدی کے اواخر اور اکیسویں صدی کے اوائل کی سماجی و سیاسی ہلچل سے متاثر تھی۔ مگر ان کا کام محض ان تبدیلیوں کی بازگشت نہیں بلکہ ان کا فکری اور فلسفیانہ تناظر میں تخلیقی احیا ہے۔ ان کی لغت میں کلاسیکی تہذیب کا وقار تو موجود ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ جدید دنیا کی بے چینی اور احساساتی کشمکش بھی جھلکتی ہے۔ ان کا شعری شعور ذات اور سماج، وجودی اضطراب اور مابعد الطبیعی جستجو، ثقافتی یادداشت اور عصری مایوسی کے درمیان مسلسل محوِ حرکت رہتا ہے۔ یہی کثیر الجہتی پہلو ان کے اسلوب کی پہچان ہے۔

ضیاءالحسن کی شاعری میں اردو کے شعری روایت کا بھرپور شعور موجود ہے۔ کلاسیکی اساتذہ میر، غالب، مومن، فانیکی معنوی اور جمالیاتی دنیا ان کے ہاں موجود تو ہے مگر تقلید کی صورت میں نہیں بلکہ نئے مفاہیم کے ساتھ جدید بین المتونیت کے طور پر۔ ان کی غزل ساختی اور جذباتی سطح پر کلاسیکی ہے مگر موضوعات جدیدیت کے دباؤ سے تشکیل پاتے ہیں۔ نظم میں وہ آزادانہ اظہار کی وسعت سے فائدہ اٹھاتے ہیں مگر داخلی ربط اور موسیقیت کی فنی نزاکت بھی برقرار رکھتے ہیں۔ ان کی اسلوبیاتی شناخت کی بنیاد معنیاتی گہرائی ہے۔ ان کے اشعار کئی سطحوں پر معنی خیز ہوتے ہیں اور قاری کو مختلف فکری و جذباتی امکانات کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ ان کا اسلوب اختصار پسندی اور زبان کی تہذیب یافتہ معیشت کا حامل ہے۔ وہ غیر ضروری لفاظی سے گریز کرتے ہیں اور کم سے کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ مفہوم پیدا کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ پیچیدہ فلسفیانہ مضامین بھی نہایت سادہ مگر موثر انداز میں بیان ہو جاتے ہیں۔ ڈاکٹر سعادت سعید ان کے شعری مجموعے "آدھی بھوک اور پوری گالیاں" کے دیباچے میں لکھتے ہیں کہ:

> "آدھی بھوک اور پوری گالیاں" کی شاعری انسان کی مایوسیوں اور گہرے دکھ درد کی عکاسی کے باوجود آرزووں سے خالی نہیں ہے۔ اس میں جابجا امیدوں اور اثباتی تمناوں کے پھول کھلے نظر آتے ہیں" (۲)

ضیاالحسن کی شاعری کی ایک اور نمایاں خصوصیت صوتی حسن ہے۔ آواز، ردھم، آہنگ، اور صوتی ترتیب کے حوالے سے ان کی حساسیت ان کے اشعار کو ایک موسیقیت عطا کرتی ہے۔ موضوعات خواہ کتنے ہی جدید اور پیچیدہ کیوں نہ ہوں، اسلوب کی لطافت کبھی مجروح نہیں ہوتی۔ یہی فکری پیچیدگی اور جمالیاتی ظرافت کا امتزاج ان کی شاعری کو منفرد بناتا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ کیجئے:

"جن کو ہے بات کا ڈھب، نہیں بولتے
ظرف ہیں جو لبالب نہیں بولتے"

"چپ لگی ہے ہماری زبانوں کو کیوں؟
کس لئے آپ ہم اب نہیں بولتے؟" (۳)

غزل وہ صنف ہے جہاں زبان کی اختصاریت اور فنّی سلیقہ بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ ہر شعر اپنی جگہ مکمل معنی رکھتا ہے مگر مجموعی طور پر ایک داخلی ربط کی فضا بھی قائم ہوتی ہے۔ ضیاء الحسن اس صنفی روایت کے ماہر دکھائی دیتے ہیں۔ بحور، ردیف و قافیے، مطلع و مقطعسب میں کلاسیکی مہارت موجود ہے مگر ان کے موضوعات جدید ذہنی الجھنوں کو سامنے لاتے ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ کیجئے:

"مری آنکھوں کو اپنی یاد سے نمناک کرتا ہے
مری مٹی کو اس پانی سے پھر وہ پاک کرتا ہے

ستارے چشم میں، سینے میں اک مہتاب کو رکھ کر
زمیں پر یوں مجھے وہ ہم سرِ افلاک کرتا ہے"(۴)

ان کی غزل میں استعمال ہونے والا ذخیرہ الفاظ کلاسیکی جمالیات کا حامل ہے مگر معنیاتی طور پر جدید ہے۔ خیال، وجود، فراق، تخلیق، راستہ، منزل، تنہائی، ہوا، نقش، دھوپ، عکس جیسے الفاظ ان کے فکری پس منظر کی نمائندگی کرتے ہیں۔ یہ اسماء مابعد الطبیعی گہرائی رکھتے ہیں جبکہ افعال حرکت، تغیر، اور باطنی جدوجہد کے علامتی اظہار کا ذریعہ بنتے ہیں۔ یوں وہ فکر اور تجربے کے درمیان ایک اسلوبی توازن قائم کرتے ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ کیجئے:

"نگاہ یاد بھی فانی، دلِ حزیں بھی گماں
ہمارا عشق بھی وقتی ہے، وہ حسیں بھی گماں
جو دیکھئے تو کسی شے کو بھی ثبات نہیں
نہ دیکھئے تو یہاں پر نہیں کہیں بھی گماں"(۵)

ان کے جملے عمومی طور پر چھوٹے، واضح اور بامقصد ہوتے ہیں۔ جملوں میں ٹھہراؤ اور وقفے جذباتی تاثر میں شدت پیدا کرتے ہیں۔ نحوی بناوٹ اور موضوعاتی اثر کا یہ توازن ان کے اسلوب کا نمایاں پہلو ہے۔ اس کے علاوہ کلاسیکی علامتیں شمع، پروانہ، سایہ، زلف، غبار، شب، سحر، خواب، آنسو وغیرہ ان کے ہاں نئے مفاہیم پیدا کرتی ہیں۔ یہ عناصر روایتی رومانی یا صوفیانہ معنویت سے آگے بڑھ کر وجودی کشمکش، شناخت کے مسائل، معنی کی تلاش اور باطنی انتشار جیسے جدید موضوعات کے اظہار کا ذریعہ بنتے ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ کیجئے:

"چراغِ حسن کو قندیل میں رکھ
پھر اس کشتی کو رودِ نیل میں رکھ
سماعت کو فراوانی عطا کر
تکلم کو مگر تقلیل میں رکھ"(۶)

اسلوبیاتی کی سطح پر ضیاء الحسن کی غزل گوئی وزن، بحر، قافیہ اور ردیف پر مضبوط گرفت کا پتہ دیتی ہے۔ ان کے اشعار میں ایک دبے دبے حسن کی جھلک ملتی ہے جو متوازن بندش، نرم صوتی تکرار اور ٹھہراؤ سے جنم لیتی ہے۔ یہ عناصر کلاسیکی غزل کی موسیقیت کو برقرار رکھتے ہوئے اسے جدید حسیت بھی عطا کرتے ہیں۔ وہ تفصیلی منظر نگاری کے بجائے اشاروں کنایوں پر زیادہ اعتماد کرتے ہیں، اور اکثر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی غزل میں لفظوں کے بیچ کا سکوت بھی اتنی ہی شدت سے بول رہا ہے جتنی کہ خود الفاظ۔ یہ اسلوبی ضبط اور کم گوئی ان کے پختہ شعری شعور کی علامت ہے، جو آرائش کے بجائے سادگی میں گہرائی تلاش کرتا ہے. یعنی جدید غزل کا وہ لطیف ذائقہ جس میں بے ساختگی کے اندر ایک گہری فنّی شعوری کیفیت پوشیدہ ہوتی ہے۔ ان کی لغت میں کلاسیکی اردو کا وقار بھی ہے اور جدید زبان کا رواں حسن بھی، اور یہی امتزاج ان کی غزل کو عصرِ حاضر کے قاری کے لیے قابلِ قبول اور بامعنی بناتا ہے۔

اردو غزل کی وسیع روایت میں ضیاء الحسن کی غزلیں اس صنف کی مسلسل ارتقا پذیر تاریخ میں ایک اہم اضافہ ہیں۔ وہ نہ صرف روایتی سانچوں کو نئی معنوی تازگی دیتے ہیں بلکہ انہیں جدید فکری اور جمالیاتی حساسیت سے جوڑ کر غزل کو آج کے زمانے کا موثر اظہار بناتے ہیں۔ فکری گہرائی اور جمالیاتی نزاکت کے حسین امتزاج کے ذریعے وہ ثابت کرتے ہیں کہ غزل آج بھی انسانی باطن کی باریک ترین کیفیات اور وجودی بے چینیوں کو بیان کرنے کی بے مثال صلاحیت رکھتی ہے۔ ان کی غزلیں کلاسیکی اساتذہ کی روایت کو آگے بڑھاتے ہوئے اسے نئے فکری جہانوں تک پہنچاتی ہیں۔ یوں ان کا شعری کام نہ صرف قدیم اور جدید دونوں طرح کے قارئین کو اپیل کرتا ہے بلکہ غزل کی اس دائمی صلاحیت کی بھی تصدیق کرتا ہے کہ یہ انسان کے باطنی تجربے کی لطیف ترین جہتوں کو اپنی پوری فنکارانہ وقعت کے ساتھ پیش کر سکتی ہے۔

غزل کے ساتھ ضیا الحسن نظم گوئی میں بھی اپنا ثانی نہیں رکھتے ۔ ان کی نظموں میں وجودی بے یقینی، تاریخی شعور، روحانی جستجو، اجتماعی اضطراب اور جدید زندگی کی نازک کشمکش جیسے موضوعات ملتے ہیں۔ وہ ان شعرا میں سے نہیں جو محض ذاتی یا محض سماجی موضوعات کے اسیر رہیں؛ ان کی نظم ایک ایسا بیانیہ تشکیل دیتی ہے جس میں فرد اور معاشرہ، ماضی اور حال، یاد اور حقیقت کے مابین کوئی سخت حد قائم نہیں رہتی۔ ان کی تصویریں کبھی باطن کی نفسیاتی دنیا میں اترتی نظر آتی ہیں اور کبھی بیرونی سماجی و انسانی منظر نامے میں پھیل جاتی ہیں۔ یہی تہہ داری ان کی نظم کو جدید اور مابعد جدید رجحانات کے ساتھ وابستہ کرتی ہے؛ ایسے رجحانات جو ٹوٹ پھوٹ، شناخت کے مسائل اور معنویت کی تلاش کو مرکزی موضوعات بناتے ہیں۔ تاہم ان کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ وہ فکری وضاحت کو ہمیشہ مقدم رکھتے ہیں؛ ان کی نظم کبھی ابہام کے بوجھ تلے دبتی نہیں بلکہ قاری کو فہم اور غور و فکر کی طرف بلاتی ہے۔ زاہد حسین ان کی کتاب "آدھی بھوک اور پوری گالیاں" میں شامل نظموں کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

> "اس کتاب میں نظمیں اور غزلیں دونوں شامل ہیں لیکن نظمیں اپنے موضوعات لفظوں کے انتخاب، ڈکشن اور ہیتی انفرادیت کے باعث ہمارے سماج کی تہذیبی اور ثقافتی شناخت ہیں۔ خاص طور پر "عبد الکریم نامہ" تو موجودہ عہد کے انسان کا ہی زندگی نامہ نظر آتا ہے "آدھی بھوک اور پوری گالیاں" ایک اہم شاعر کی طرف سے موجودہ ادبی دنیا کے لئے ایک سوغات کی حیثیت رکھتی ہے"(۷)

ضیا الحسن کی نظم گوئی کا ایک اور اہم پہلو **اسلوبی نظم و ضبط اور ساختی ہمواری** ہے۔ نظم کی جو صنف تاریخی طور پر بے تکلفی اور لچک کی حامل سمجھی جاتی ہے، وہ ان کے ہاں ایک سنجیدہ فکری نظام میں ڈھل جاتی ہے۔ ان کی نظمیں نہ ضرورت سے زیادہ آراستہ ہیں اور نہ ہی بے رنگ و سپاٹ، بلکہ ان میں ایک مہذب، متوازن اور باوقار لَے ہے جو خیال کو رفتہ رفتہ اور فطری انداز میں سامنے لاتی ہے۔ وہ آزاد نظم، موضوعاتی تسلسل اور بیانیہ ترتیب کو اس چابک دستی سے استعمال کرتے ہیں کہ لسانی ساخت اور فکری مواد میں ایک بہترین ہم آہنگی پیدا ہو جاتی ہے۔ ان کا لفظی انتخاب جدید بھی ہے اور تہذیبی حوالوں سے گہرا بھی، مگر وہ کبھی کلاسیکی رنگ کو اس حد تک غالب نہیں ہونے دیتے کہ نظم ایک قدیم فنی مشق بن کر رہ جائے۔ آواز، ردھم اور جملوں کا توازن ان کے اسلوب کا لازمی حصہ ہیں۔ یہی ضبط شدہ موسیقیت نظم میں جذباتی ارتعاش کو بھی جگہ دیتی ہے اور فکری گہرائی کو بھی محفوظ رکھتی ہے۔ نظم سے چند مصرعے ملاحظہ کیجئے جس میں جدید فرد کے داخلی کیفیات کی بھرپور عکاسی کی گئی ہے:

"میں اپنے وجود کے معنی کھو چکا ہوں

مجھے محبت کی تلاش ہے
محبت ایک پوشاک ہے
جس میں کمر سے لگا پیٹ چھپایا جا سکتا ہے
آنسو جذب ہو سکتے ہیں
موسموں کی شدت سے بچا جا سکتا ہے
میں اپنے وجود کے معنی کھو چکا ہوں
ہو سکتا ہے
میرے وجود کے کبھی کوئی معنی رہے ہی نہ ہوں" (۸)

ان کی نظموں کی **علامتیں اور استعارات** خاص طور پر قابل توجہ ہے۔ ان کے یہاں علامت محض سجاوٹ نہیں بلکہ فکر کا دروازہ ہے۔ سفر، تنہائی، گرد، خاموشی، سایہ اور منظر نامہیہ سب ان کے ہاں بطور علامت بار بار آتے ہیں اور قاری کو نظم کے باطنی مفاہیم سے جوڑتے ہیں۔ وہ عام اور روزمرہ کی چیزوں کو بھی استعاراتی سطح پر اس طرح برتتے ہیں کہ وہ فلسفیانہ معنی اختیار کر لیتے ہیں۔ ضیا الحسن نے اپنی نظم "شاعری کا کام موقوف ہوا" میں جدید انسان کی ذہنی حالت کو نئی علامتوں اور استعاروں کے ذریعے بیان کیا ہے۔ ملاحظہ کیجئے:

"محبت کی ایک کہانی میں
نیوکلیائی بم ایجاد ہوا
کان سماعت، اور آنکھیں بصارت سے محروم ہو گیئں
میں نے کاغذ سے ڈالر بنایا
اور دل خرید لیا
گندم سمندر میں بہا دی
اور بھوک کھانے لگا
دل سے درد اور آنکھ سے آنسو رخصت ہو گئے" (۹)

نظم میں ضیاء الحسن کو وسعتِ اظہار، کہانی پن، فکری تسلسل اور علامتی پھیلاؤ میسر آتا ہے۔ ان کی نظمیں آزاد خیال ہیں مگر داخلی ربط اور موسیقیت سے خالی نہیں۔ نظم کی لغت نسبتاً جدید، شہری تجربے، ذہنی پریشانی، اور فکری اضطراب سے جڑی ہوئی ہے۔ الفاظ بتدریج معنی پیدا کرتے ہیں، یوں نظم میں فکری تسلسل قائم رہتا ہے۔ ضیا الحسن کی نظموں میں روایت اور جدیدیت کا حسین امتزاج نظر آتا ہے۔ انھوں نے جدید انسانی رویوں اور بے چینیوں کو کلاسیکی رنگ میں نہایت خوبصورتی سے پیش کیا ہے۔ نظم "فکر آیندہ" کا کچھ حصہ ملاحظہ کیجئے جس میں ان کا یہ انداز نظر آتا ہے:

"ہمیں بصارت سے محروم کر دیا گیا ہے
یا منظر سے حسن غائب ہو گیا ہے
ایک لامتناہی سیاہ پردہ ہے

جس سے ماتمی لباس تیار کیا جاسکتا ہے
اور احتجاجی پٹیاں بنائی جاسکتی ہیں
ہمیں ایک سورج درکار ہے
جس سے
معطل بہار کے پھول کھلائے جاسکیں
جہالت کے پردے میں چھپا
ایک دن طلوع ہو سکے "(۱۰)

تفصیلی جملے، ضمنی فقرے، بیانیہ تسلسل اور علامتی جملہ سازی نظم کی شناخت ہے۔ آغاز میں پیش کردہ ایک علامت اکثر پوری نظم کا وجودی یا فکری محور بن جاتی ہے۔ شہر، غبار، گونج، آئینہ، دروازہ، روشنی، خاموشی، شکستہ اشیا، مکانی خلا یہ سب علامات جدید انسان کی نفسیاتی کیفیت، وجودی تنہائی، اور تہذیبی بے معنویت کی نمائندگی کرتی ہیں۔ نظم میں ان کا لہجہ زیادہ بیانیہ اور تجزیاتی ہے۔ لاشعوری خوف، دبی خواہشات، تنہائی، اور شخصیت کی ٹوٹ پھوٹ نظم کا بنیادی حوالہ بنتی ہے۔ یہی ٹوٹ پھوٹ ان کی نظم "مجھے دل درپیش ہے" میں نظر آتا ہے جس میں وہ لکھتے ہیں کہ:

"محبت کی تلاش میں، میں ایک ایسی نفرت کا شکار ہوا ہوں
جو میرا حصہ نہیں تھی
میرا پیڑ مجھے سایہ نہ دیتا
میری چھت مجھ پر گرنے والی ہے
دوسروں کی روٹی سے کبھی پیٹ نہیں بھرتا
زندگی کے سفر میں مجھے دل درپیش ہے "(۱۱)

ضیا الحسن کی نظم گوئی میں **اخلاقی اور انسانی قدروں** کی مضبوط بنیاد بھی موجود ہے۔ محروم اور زخمی انسانوں کے لیے ان کا جذبۂ ہمدردی جذباتی کمزوری نہیں بلکہ انسانی وقار کا اعتراف ہے۔ ان کی نظمیں انسانی دکھ، بے بسی، خوف اور مزاحمت کو نہایت خاموش مگر شدید شدت کے ساتھ بیان کرتی ہیں۔ ان کے یہاں انسان کی داخلی عظمت، اخلاقی شعور اور روحانی بردباری بنیادی حیثیت رکھتے ہیں، جو ان کی نظم کے اخلاقی و فکری ڈھانچے کو نہایت مضبوط بناتے ہیں۔ اردو ادب کے وسیع تناظر میں ضیا الحسن کی نظم روایت اور جدت، فکر اور جذبے، فرد اور معاشرت، ذاتی اور اجتماعی سطحوں کا ایک خوبصورت امتزاج ہے۔ انھوں نے نظم کو محض اظہار کی ایک صنف نہیں رہنے دیا بلکہ اسے جدید انسانی تجربے کے تمام اہم سوالات کا عکاس بنا دیا۔ ان کی ساختی مہارت، تصویری وجدان اور فکری بصیرت انہیں معاصر نظم گو شعرا میں ایک منفرد اور باوقار آواز بناتی ہے۔ ان کی نظم گوئی موضوعات کے تنوع، اسلوبی نزاکت، نفسیاتی گہرائی اور فلسفیانہ وجاہت کے باعث معاصر اردو ادب کا ایک اہم اور قابل قدر سرمایہ ہے۔ ان کی نظمیں انسان کے وجودی سوالات، سماجی اضطراب اور باطنی پیچیدگیوں کو نہایت پر اثر انداز میں بیان کرتی ہیں۔ انہوں نے نظم کو فکر اور جذبے کے ایک ایسے حسین امتزاج میں ڈھالا ہے جو نہ صرف جمالیاتی طور پر دلکش ہے بلکہ فکری طور پر بھی گہرائی رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر ضیا الحسن کی نظم گوئی آج کے ادبی منظر نامے میں ایک مضبوط، روشن اور مستقل حوالہ بن چکی ہے۔

مجموعی طور پر دیکھا جائے تو ضیاء الحسن جدید اردو شاعری کے ان ممتاز شاعروں میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے روایت اور جدیدیت کو ایک مہذب، فکری اور جمالیاتی سطح پر یکجا کیا ہے۔ ان کی غزل کلاسیکی مہارت کو جدید انسانی تجربے سے جوڑتی ہے، جبکہ نظم وجودی، نفسیاتی اور سماجی مسائل کو فکری وقار کے ساتھ پیش کرتی ہے۔ لغت، علامت، استعارہ، صوتی حسن، موضوعاتی گہرائی اور فکری باریکیہ سب عناصر مل کر ان کی شاعری کو ایک منفرد اسلوب عطا کرتے ہیں۔ ان کی شاعری کلاسیکی اردو ادبی روایت میں مضبوطی سے پیوست ہونے کے باوجود عصری فکری، لسانی اور جذباتی حساسیت سے واضح طور پر تشکیل پاتی ہے۔ ان کا شعری اسلوب روایت اور جدیدیت کے لطیف توازن سے جنم لیتا ہے، جہاں غزل اور نظم کے موروثی ڈھانچوں کو تازہ استعاروں، علامتی تہہ داری، نفسیاتی گہرائی اور لفظیات پر باریک گرفت کے ذریعے نئے معنوی امکانات فراہم کیے گئے ہیں۔ اسلوبیاتی انتخاب کی یہ کثیر الجہتیجس میں آہنگ کی تبدیلیاں، معانی کی گہرائی، بین المتونی اشارے اور عصری موضوعاتی رُجحانات شامل ہیںان کی شعوری فنی تربیت اور زبان کو جمالیاتی تجربے میں تبدیل کرنے کی غیر معمولی صلاحیت کو آشکار کرتی ہے۔ پیکر تراشی، لہجے اور بیانیہ آواز کی محتاط ترتیب کے ذریعے ضیا الحسن ایک ایسا شعری کائنات تخلیق کرتے ہیں جو بیک وقت شخصی بھی ہے اور آفاقی بھی، داخلی بھی اور بیرونی بھی۔ یوں ان کے فن کے اسلوبیاتی جائزے سے نہ صرف ان کے شعری ہنر کی گہری تفہیم حاصل ہوتی ہے بلکہ یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ وہ اردو شاعری کو پیچیدگی، لطافت اور فکری گہرائی سے مزید مالا مال کرنے والے اہم جدید شاعر ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ خلیل احمد بیگ، پروفیسر، اسلوبیاتی تنقید (نظری بنیادیں اور تجزیے)، نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو، ۲۰۱۴ء، ص:۸۵

۲۔ ضیا الحسن، آدھی بھوک اروپوری گالیاں، لاہور: دی ریکونز پبلی کیشن، ۲۰۰۷، ص:۹

۳۔ ضیا الحسن، بار مسلسل، لاہور: دی ریکونز پبلی کیشن، ۱۹۹۶ء، ص:۲۷

۴۔ ضیا الحسن، آدھی بھوک اور پوری گالیاں، لاہور: دی ریکونز پبلی کیشن، ۲۰۰۷، ص:۳۸

۵۔ ضیا الحسن، بار مسلسل، لاہور: دی ریکونز پبلی کیشن، ۱۹۹۶ء، ص:۵۱

۶۔ ضیا الحسن، ازل سے، لاہور: دی ریکونز پبلی کیشن، ۲۰۱۴ء، ص:۶۵

۷۔ زاہد حسین، تبصرہ، مشمولہ، "آدھی بھوک اور پوری گالیاں"، سنڈے ایکسپریس، یکم اپریل ۲۰۰۷، ص:۱۵۵

۸۔ ضیا الحسن، آدھی بھوک اور پوری گالیاں، لاہور: دی ریکونز پبلی کیشن، ۲۰۰۷، ص:۴۷

۹۔ ایضاً، ص:۴۸

۱۰۔ ضیا الحسن، آدھی بھوک اور پوری گالیاں، لاہور: دی ریکونز پبلی کیشن، ۲۰۰۷، ص:۵۸

۱۱۔ ضیا الحسن، ازل سے، لاہور: دی ریکونز پبلی کیشن، ۲۰۱۴ء، ص:۹۸